انسانی جان کے خلاف جرائم میں اکراہ: اسلامی قانون کا عصری تناظر میں جائزہ

Criminal Force: Review of Islamic Law in Contemporary Context

ڈاکٹر زینب امین*

سنا ضیاء**

Abstract

Like the limits of crime, crimes against human life and body are also very dangerous in terms of their effects, so the Qur'an has fixed their punishment for them. Islamic law has set specific punishments for it, and it does not allow any kind of crime to be reduced. These crimes have schakled the very basis of society and they have to be dealt with severely. The basic elements of society are the need to protect the structures on which the lives and deaths of society depend. These crimes can be basically divided into two types: 1.Crimes against human beings (e.g. murder) 2.Crimes against the human body. There is a long way to go around, and in the meantime, this kind of research is needed, the seriousness of which is far greater than the rest of researches. This article examined the crimes against humanity in the light of Islamic law.

Key Words: Criminal Force, Review, Islamic law, Contemporary context

جرائم حدود کی طرح انسانی جان اور جسم کے خلاف جرائم بھی اپنے اثرات کے لحاظ سے انتہائی خطرناک ہیں اس لیے ان کی سزائیں قرآن نے خود مقرر فرمائی ہے[1]۔ اسلامی قانون نے جن جرائم کے لیے خاص سزائیں مقرر کر دی ہیں، ان میں کسی قسم کی کمی بیشی کی اجازت نہیں دی ہے یہ سب ایسے جرائم ہیں جن کے خطرناک ہونے کے بارے میں نوعِ انسانی کا نقطہ نظر ہر جگہ اور ہر زمانے میں ایک ہی رہا ہے یہ ایسے جرائم ہیں جو معاشرے کی اساس کو ختم کر دیتے ہیں اور ان کے خلاف بر سر پیکار ہوتے ہیں، معاشرے کے بنیادی عناصر ترکیبی کی حفاظت کے لیے یہ سزائیں ناگزیر ہیں جن پر معاشرے کی زندگی اور موت کا دار مدار ہوتا ہے۔ ان جرائم کو بنیادی طور پر دو قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے: ا۔ انسانی جان کے خلاف جرائم (جرائم قتل) انسانی جسم کے خلاف جرائم

*اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اسلامیات ویمن یونیورسٹی، پشاور۔

**لیکچرار، ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک سٹڈیز، ویمن یونیورسٹی، مردان۔

(جرائم جرح و ضرب)۔ جبر و کراہ اور ظلم و زیادتی کا دور دورہ ہے اور اس اثناء میں اس قسم کی تحقیقی کام کی ضرورت ہے زیر نظر تحقیقی مقالہ میں اکراہ کی صرف ایک جہت کو لیا ہے۔ جس کی سنگینی باقیوں کی نسبت زیادہ ہے۔ اس مقالہ میں انسانی جان کے خلاف جرائم کا اسلامی قانون کی روشنی میں جائزہ لیا گیا ہے۔

لغوی تعریف

اکراہ افعال کے وزن پر مصدر ہے اس کا مادہ کرہ ہے اور معنی مشقت کے ہیں۔ لغت میں کرہ کاف کے پیش کے ساتھ مشقت خود اپنے آپ کو مجبور کرنے اور کرہ کاف کے زبر کے ساتھ غیر کی طرف سے مجبور ہونے کا نام ہے[2]۔ مثلاً قرآن میں ہے ﴿وَلَهُ أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَ كَرْهًا﴾[3]۔ اس طرح ارشاد ہوتا ہے ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ﴾۔[4] لفظ کُرہ کو کسی نے کَرہ کاف کے زبر کے ساتھ نہیں پڑھا ہے۔ اس لیے کَرہ زیر کے ساتھ فعل مضطر کے لیے ہے اور کُرہ پیش کے ساتھ فعل مختار کے لیے[5]۔ بعض اہل لغت نے کَرہ زبر کے ساتھ کے معنی قابل برداشت و مشقت اور کُرہ پیش کے ساتھ خود اختیار مشقت بیان کی ہے[6]۔

اکراہ کی اصطلاحی تعریف

فقہاء نے لفظ اکراہ کی جو تعریفیں نقل کی ہیں ان کی تعداد بہت زیادہ ہے تاہم اس اکثریت کے باوجود ان میں کوئی بہت بڑا اختلاف نہیں ہے۔ فقہاء احناف کے نزدیک یہ تعریف ہے کہ اکراہ ایسے فعل کا نام ہے جو انسان کسی دوسرے شخص کے ساتھ بروئے کار لاتا ہے۔ اور اس کے ذریعے اس کی مرضی کو ختم کر دیتا ہے یا اس کے اختیار کو سلب کر دیتا ہے بغیر اس کے کہ اس سے مکروہ کی اہلیت یا اس سے شریعت کا خطاب ساقط ہو[7]۔ کسی غیر شخص کو ایسے ضرر کے خوف میں مبتلا کر کے جس کا وقوع پذیر ہونا حامل یعنی اکراہ کرنے والے کی قدرت میں ہو ایسے کام پر ابھارنا جس کے نتیجے میں وہ غیر شخص خوف زدہ ہو کر وہ عمل کر بیٹھے جس کا اس سے مطالبہ کیا گیا ہو لیکن اس میں اس کی رضا شامل نہ ہو[8]۔

حنفی عالم ابن عابدین (۱۲۴۰ھ) نے اکراہ کی تعریف اس طرح کی ہے: اکراہ ایک ایسا فعل ہے جو مکرہ کی طرف سے وجود میں آتا ہے اور محل جس پر اکراہ کیا جائے اثر انداز ہو کر اس کو اس فعل کے ارتکاب پر لگا دیا جاتا ہے جس کا اس سے مطالبہ کیا جائے[9]۔ اور اسی طرح ایک اور حنفی عالم امام کاسانی (م ۵۸۷ھ) نے اکراہ کی تعرف یوں کی ہے: شریعت میں اکراہ عبارت ہے اس چیز سے کہ کسی کو ڈرا دھمکا کر کسی فعل کے کرنے پر مجبور کیا جائے خاص شرطوں کی موجودگی میں[10]۔

مالکی فقہاء نے اکراہ کی تعریف یہ کی ہے: کسی شخص کو ظلماً کسی ایسے کام پر لگادینا جس پر نہ تو وہ راضی ہو اور نہ اس کا ارادہ رکھتا ہو اور وہ اکراہ کسی حق بات کے لیے نہ ہو جیسے کسی کو راستہ بنانے کے لیے یا مسجد میں توسیع کے لیے یا کسی مضطر کے لیے طعام کا بندوست کرنے کے لیے زمین بیچنے پر مجبور کیا جائے[11]۔

امام شافعی (۲۰۴ھ) نے اکراہ کی تعریف اس طرح کی ہے کہ اکراہ یہ ہے کہ کوئی شخص حاکم، چور، ڈاکو یا کسی اور غلبہ پانے والے کے ہاتھوں میں اس طرح بے بس ہو جائے کہ بچ نکلنے کا کوئی راستہ نہ ہو اور مکرہ کو دلالت حال سے یہ خوف ہو کہ اس کو جس کام کا حکم دیا گیا ہے اس سے انکار کرنے کی صورت میں اس کو المناک سزا دی جائے گی یا اس کو قتل کر دیا جائے گا[12]۔ اور اسی طرح کسی کو ایسے فعل پر مجبور کرنا جس پر وہ رضامند نہ ہو اور اگر اس کو آزاد چھوڑ دیا جائے تو وہ اس فعل کو اختیار نہیں کرے گا پس اس سے اس کی رضامندی معلوم ہوتی ہے نہ کہ اختیار۔

اکراہ حنابلہ کے نزدیک اگر مکرہ کو مارپیٹ گلا گھونٹے، قید و بند یعنی حبس یا پانی میں غوطے دینے جیسے عذابوں میں سے کسی عذاب میں مبتلا کیا جائے تو یہ اکراہ ہے[13]۔

ان تعریفات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے درمیان آپس میں کوئی بہت بڑا فرق نہیں پایا جاتا اگرچہ ان کے الفاظ اور عبارتیں مختلف ہیں لیکن مضمون سب کا ایک ہے سوائے اس کے کہ بعض تعریفیں اکراہ کے لغوی معانی سے زیادہ قریب ہیں۔ جب کہ بعض میں اکراہ کے ارکان، شروط اور مرتب ہونے والے آثار کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ البتہ حنابلہ کے نزدیک اکراہ متحقق ہونے کے لیے مجرد وعید کافی نہیں بلکہ مکروہ کا فعلاً عذاب میں مبتلا کیا جانا ضروری ہے۔ لیکن دیگر فقہاء کے تعریفات کی رو سے مجرد وعید بھی اکراہ ہے۔ بشر طیکہ مکرہ اس وعید پر عمل کرنے کی قدرت رکھتا ہو۔ ان تعریفات کی رو سے اکراہ کے چار ارکان بنتے ہیں:

۱۔ مکرِہ یعنی وہ شخص جو مکرہ کو کسی قول یا فعل پر مجبور کرے۔

۲۔ مکرہ: جس پر اکراہ کیا گیا ہو۔

۳۔ مکرہ علیہ یعنی وہ کام جسے کرنے کا مکرہ نے حکم دیا ہے۔

۴۔ مکرہ بہ یعنی وہ وسیلہ جس کے ذریعہ اکراہ کیا گیا ہو یعنی جس کے ذریعے مکرِہ کو خوف زدہ کر کے مکرہ علیہ (مطلوبہ ناپسندیدہ کام) پر مجبور کرتا ہے۔

اس کا نتیجہ یہ ہے کہ: ا۔ اکراہ متحقق ہونے کے لیے ضروری ہے کہ دھمکی ایسی ہو جو مکرہ کو اس کام پر مجبور کر سکے جو اس سے مطلوب ہے۔ یعنی جس سے اس کی رضا معدوم اور اختیار فاسد ہو۔ جیسے قتل، قطع اور ضرب شدید

کی دھمکی۔ ۲۔ دھمکی دینے ولا (مکرہ) وسائل اکراہ کے استعمال پر قادر ہو اور اپنی دھمکی میں سنجیدہ بھی ہو۔ ۳۔ مکرہ کو اس دھمکی پر فی الحال عمل ہونے کا خطرہ ہو۔ ۴۔ مکرہ خود اس کام کے ارتکاب سے اجتناب کرتا ہو۔

اکراہ کی قانونی تعریف یہ ہے:(Force, Criminal)یعنی کسی شخص پر اس کی بلا رضامندی، بلا ارادہ جبر کرنا کسی جرم کے ارتکاب کے لیے اس نیت سے یا اس علم سے یا جب کہ یہ احتمال ہو کہ اس جبر سے اس شخص کو مضرت، خوف یا رنج پہنچے گیا تو جبر مجرمانہ کہلائے گا[14]۔

پاکستان پینل کوڈ (مجموعہ تعزیرات پاکستان) سیکشن ۳۵۰ کے تحت ہے:

> Section: 350 :A person is said to use "criminal force" to another person where the person intentionally uses force to any other person, without that person's consent.....[15]

یعنی جو کوئی شخص کسی جرم کے ارتکاب کے غرض سے کسی شخص پر اس کی رضامندی کے بغیر قصداً جبر کرے یا اس نیت سے یا اس امر کے احتمال کے علم سے ایسا جبر کیا گیا ہے' ضرر خوف یا ایذا پہنچائے گا کہ اس نے مذکورہ شخص پر جبر مجرمانہ نہ کیا۔

دفعہ ہذا میں جو مجرمانہ کی تعریف کی گئی ہے دفعہ ہذا کے مطابق اگر کوئی شخص جان بوجھ کر دوسرے شخص کی مرضی کے بغیر کسی جرم کی نیت سے یا یہ جانتے ہوئے کہ اس کا یہ فعل دوسرے شخص کو مضرت خوف یا رنج پہنچانے کا جبر مجرمانہ کا مرتکب ہو گا۔

جرم قتل میں اکراہ

<u>حرمت جان</u>: انسانی جان پر اثر انداز ہونے والا جرم جس سے انسانی جان چلی جاتی ہے۔ جرم قتل کہلاتا ہے۔ یہ جان ، دین، عقل، نسل، مال اور آبرو کی حفاظت کے ساتھ ساتھ شریعت کے پانچ بنیادی مقاصد میں ایک ہے۔ جسے فقہاء نے دین کی حفاظت کے بعد دوسرا درجہ دیا ہے[16]۔ قتل انسانی کو ساری آسمانی شریعتوں میں بد ترین جرم قرار دیا گی ہے۔ اور ناحق ایک انسان کے قتل کو پوری انسانیت کا قتل قرار دیا گیا۔ اس جرم کی سنگینی کے پیش نظر قتل ایسا جرم ہے جس میں اکراہ کا اعتبار نہیں کیا جاتا اور جمہور فقہاء کے نزدیک مکرہ کے لیے اکراہ تام کے تحت بھی اس جرم کے ارتکاب کی نہ اباحت ثابت ہے اور نہ رخصت۔

امام سرخسی(۴۸۳ھ) نے لکھا ہے کہ اگر کسی کو کسی مسلمان کے قتل پر مجبور کیا جائے تو اس کے لیے اس کا قتل جائز نہیں کیونکہ یہ خالق کی نافرمانی اور مخلوق کی اطاعت اور اپنی جان کو ایسی جان پر فوقیت دینے کے مترادف ہے جو حرمت میں اس کے مثل ہے جو جائز نہیں اس سے واضح ہے کہ مسلمان کی حرمت کی کتنی عظمت حاصل ہے۔ شرک عظیم ترین گناہ اور سخت حرام ہے۔ لیکن اکراہ کی حالت میں کلمہ کفر کہنا مباح۔ لیکن اکراہ کی حالت میں کسی کو قتل کرنا مباح نہیں[17]۔امام کاسانی (م) نے لکھا ہے کہ جرم کی وہ قسم جس کی اکراہ کے تحت اباحت یا رخصت ثابت نہیں وہ ناحق کسی مسلمان کا قتل ہے خواہ اکراہ ناقص ہو یا تام کیونکہ ناحق کسی مسلمان کا قتل کسی حالت میں اباحت کا احتمال نہیں رکھتا[18]۔ اس ضمن میں امام قرطبیؒ (م ۶۷۱ھ) نے قتل میں اکراہ موثر نہ ہونے پر علماء کا اجماع نقل کیا ہے لکھتے ہیں کہ اس بات پر علماء کا اجماع ہے کہ اگر کسی کو قتل پر مجبور کیا جائے تو اس کے لیے ایسے قتل کا اقدام جائز نہیں نہ کوڑوں وغیرہ سے مار کر اس کی بے حرمتی کرنا اس کے لیے جائز ہے۔ بلکہ جو مصیبت اس پر نازل ہوئی ہے اس پر صبر کرلے کیونکہ اس کے لیے حلال نہیں کہ اپنے نفس کے فائدے میں کسی اور کی جان لے لے[19]۔

مجموعہ تعزیرات پاکستان دفعہ ۹۴ میں ہے:

Act of Which a Person is Compelled by threats

یہاں یہ وضاحت کی گئی ہیں کہ ماسوائے قتل عمد اور جرائم خلاف مملکت جن کی سزا موت ہے کوئی امر جرم نہیں ہے جس کا ارتکاب کوئی ایسا شخص کرے جسے دھمکی دے کر مجبور کیا گیا ہو جس سے اس کے ارتکاب کے وقت فاعل کو معقول طریقے سے یہ اندیشہ پیدا ہو جائے کہ بصورت دیگر اس امر کا نتیجہ اس کی فوری ہلاکت ہوگا۔ مگر شرط یہ ہے کہ اس فعل کے مرتکب شخص نے نہ تو اپنی مرضی سے یا اپنے کسی ضرر معقول اندیشے سے جو فوری ہلاکت کا سبب ہو اپنے آپ کو ایسی حالت میں ڈالے جس سے وہ کسی مجبوری میں مبتلا ہوا ہو[20]۔

اس دفعہ کی تشریح نوٹ (Explanation) میں کہا گیا ہے کہ کوئی شخص جو اپنی یا مار پیٹ کی دھمکی کی وجہ سے ڈاکوؤں کے ایک گروہ میں ان کے چال چلن کا علم رکھتے ہوئے شامل ہو جاتا ہے اپنے ساتھیوں کے طرف سے کسی ایسے فعل کا ارتکاب کرنے کے لیے جو قانوناً جرم ہو مجبور کیے جانے کی بناء پر استثناء کے فائدے کا مستحق نہیں[21]۔

اسلامی قانون میں اس کی نفی ان الفاظ میں کی گئی ہے۔ اگر کسی کو مجبور کیا جائے کہ فلاں شخص کو قتل نہیں کروگے یا اس کے اعضاء قطع نہیں کروگے تو تمہیں قتل کیا جائے گا تو بھی ایسا کرنا جائز نہیں بلکہ واجب ہے

کہ اپنے نفس کے قتل پر راضی ہو جائے[22]۔ گو کہ اگر مکرہ علیہ اجازت بھی دے دے تب بھی مکرِہ کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے نفس کو بچانے کے لیے اکراہ پر عمل کرتے ہوئے اس کی جان لے لے یا اس کے اعضاء کاٹ دے۔ اس ضمن میں امام کاسانی نے صراحت کی ہے کہ یہ مسلمان پر جبر و کراہ کے تحت مجبور نے فعل واقع کرنا ہے اگر وہ خود اسے قتل یا قطع یا ضرب کی اجازت دے اور مجبور سے کہہ دے کہ کر گزر تو مجبور کے لیے ایسا کرنا مباح نہیں ہو گا کیونکہ یہ افعال ان تصرفات میں سے ہیں جو اجازت دینے سے مباح نہیں ہوتے اور اگر مجبور ایسا کرے گا تو گنہگار ہو گا، کیا آپ دیکھتے نہیں کہ اگر وہ مسلمان خود اپنے ساتھ ایسا کرے گا تو گنہگار ہو گا اس لیے اگر دوسرے کے ساتھ کرے تو بدرجہ اولی جائز نہیں[23]۔

اسلامی قانون میں اور مجموعہ تعزیرات پاکستان میں بھی قتل میں اکراہ کا اعتبار نہیں کیا اور کسی حال میں بھی مکرہ کے لئے کسی کو قتل کرنے یا اس کے اعضاء کاٹنے کی رخصت یا اباحت ثابت نہیں ہے۔ البتہ فقہاء نے مکرہ کو اپنی جان بچانے کے لیے مکرہ علیہ پر ایسا ضرب واقع کرنے کی اجازت دی ہے جس سے اس کی جان یا کسی عضو کے تلف ہونے کا خطرہ نہ ہو۔ کیونکہ اس کا ضرر مجبور کو پہنچنے والے ضرر کی نسبت بہت ہی کم ہے اور ظاہر بات ہے کہ اپنے بھائی کی زندگی بچانے کے لیے وہ اس قدر ضرر اٹھانے پر رضامند ہو جائے گا[24]۔

اکراہ سے کسی انسان کے قتل کے عدم جواز کا سبب

ماہرین قانون فقہ اسلامی کے نزدیک ضرورت کی بناء پر اباحت اور رخصت صرف ان محرمات میں ثابت ہے جن کا نقصان کم تر ہو لیکن اگر اس حرام چیز کا نقصان اس ضرورت سے زیادہ ہو تو ضرورت کو ترک کر کے اس کا لحاظ کیا جائے گا۔ اسی لیے ضرورت کی بناء پر اباحت اور رخصت ان محرمات میں ثابت ہے جن کا تعلق یا تو حق اللہ سے ہے یا ایسے حق العبد سے جو مال سے متعلق ہو جان سے نہیں کیونکہ کسی کے قتل پر مضطر شخص کے لیے اپنی جان گنوا دینا اس کے قتل سے بہتر ہے۔ جیسا کہ ابن نجیم (۹۷۰ھ) نے ضابطہ بیان کیا ہے کہ اگر کسی کو قتل کی دھمکی دے کر کسی کے قتل پر مجبور کیا جائے تو اسے اس کی رخصت نہیں دی جائے گی اور اگر قتل کرے گا تو مجرم ہو گا کیونکہ اس کے اپنے نفس کے قتل کا مفسدہ غیر کے قتل کے مفسدے سے کم تر ہے[25]۔

مغربی ماہر قانون ہربرٹ بروم (م ۱۸۸۲ء) نے اس ضمن جو ضابطہ لکھا ہے وہ یہ ہے کہ بحالت افلاس یا بھوک کے چوری کرنا جائز نہیں اور نہ کسی اور شخص کی جان لینا جائز ہے، وہ لکھتے ہیں کہ اگر اس میں گنجائش یا اجازت دی جائے تو یہ بات تو عام ہے کہ چور تو ہمیشہ افلاس یا تنگی کی بناء پر عذر کرتے ہیں۔ اور قانوناً اس عذر کو جائز

کر لیا جائے تو کاہلی اور بد معاشی کو بہت وسعت حاصل ہو گی اور دوسروں کے ضرر کا باعث بھی ہو گا اس لیے بروم ضابطہ بیان کرتے ہیں کہ ہر وہ ضرورت جو دوسروں کے لیے موجب ضرر یا دوسروں کو قتل کا باعث ہو اختیار کرنا جرم ہے [26]۔ یہ اس صورت میں جائز ہو سکتا ہے جب کوئی دوسرا شخص اس کو مارنے کے لیے اقدامات کرتا ہو اور وہ اپنی جان کی دفاع میں دوسرے کو قتل کر دیتا ہے۔ یا یہ کہ اسی صورت حال میں جب صاحب ثروت کی چوری صرف کھانے پینے کی شکل میں ہو۔

ابن نجیم نے اس ضمن یہ ضابطہ بیان کیا ہے :«**وقد تراعى المصلحة لغلبتما على المفسده**» [27]۔ مصلحت کی رعایت اس وقت کی جائے گی جب کہ اس کا مفسدہ کم ہو۔ یعنی اس میں بروم نے ابن نجیم کے اس ضابطے کی تائید کی ہے۔ یعنی ضرورت کے ذریعے اگر کسی شخص سے مفسدہ کو دور کیا جائے تو یہ بھی ضروری ہے کہ یہ دوسرے شخص کے لیے اس درجہ کے یا اس سے فرزوں تر مفسدوں کا ذریعہ نہ بن جائے۔ لہذا فقہاء نے اس ضابطے کو اس طرح بیان کیا ہے: "محرمات کی مذکورہ تقسیم کا بیان یہ ہے کہ پہلی قسم زنا، قتل اور زخمی کرنا ہے کہ یہ اکراہ کی وجہ سے جائز نہیں ہے اور نہ تو اس میں کوئی رخصت ہے، اس لیے رخصت ہلاکت کے خوف سے ہے اور اس میں مجبور اور جس کے ساتھ ظلم پر مجبور کیا جا رہا ہے دونوں برابر ہیں، پس اس تعارض کی وجہ سے اکراہ کا حکم ساقط ہو جائے گا" [28]۔ سیوطی نے اس ضابطے کی توجیہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "فقہاء نے مضطر کو اس بات کی اجازت نہیں دی ہے کہ دوسرے مضطر شخص کا کھانا کھائے" [29]۔

اکراہ ایک مجبوری ہے اس تصور کا آغاز جدید مغربی قانون میں انیسویں صدی کے اواخر میں ہوا ۱۸۸۴ء میں ایک بحری جہاز کی تباہی کا حادثہ پیش آیا۔ اس حادثے کے متاثرین میں چار جہاز ران بھی شامل تھے۔ جنہوں نے اپنی غذائی ضرورت پوری کرنے کے لیے اپنے چوتھے ساتھی، جس کی عمر ۱۷ برس تھی کو قتل کر کے کھالیا۔ عدالت نے کیس کی سماعت کے دوران آدم خوری کے اس جرم کو قانون ضرورت کا استثناء دینے سے انکار کیا اور مجرموں کو پھانسی کی سزاء سنائی جس میں بعد میں تخفیف کر دی گئی [30]۔

ابن نجیم نے ضابطہ بیان کیا ہے: «**الاضطرار لا يبطل حق الغير**» [31]۔ یعنی اضطرار اگرچہ کسی ناجائز فعل کے جائز ہونے کا سبب بن جاتا ہے جیسے جان کنی کے عالم میں مردار خوری یا فعل کے حرام ہونے کے باوجود اس پر کسی گناہ یا سزا کے کالعدم ہونے کا سبب بن جاتا ہے جیسے حالت جبر میں زبان سے کلمہ کفر ادا کرنا، لیکن اس سے کسی دوسرے انسان کا حق کالعدم نہیں ہوتا خواہ گناہ نہ ہو جیسے کوئی شخص حالت اضطرار میں دوسرے کو قتل کر دے۔

اسی تناظر میں پروفیسر ابو زہرہ نے لکھا ہے کہ اکراہ کی صورت میں رخصت اسی فعل میں ثابت ہے جس میں کسی پر تھوڑا ضرر واقع کرنے سے مکرِہ اپنے آپ سے بڑا ضرر دفع کرتا ہو اور اکراہ کی صورت میں کسی کو قتل کرنے یا اس کا عضو قطع کرنے سے چھوٹے ضرر کے مقابلے میں بڑا ضرر دفع نہیں ہوتا بلکہ ایسا ضرر دفع کرنا مقصود ہوتا ہے جو متوقع ہے ایک ایسا ضرر جو واقع اور ثابت ہے اور اس متوقع ضرر کو دفع کرنا مقصود ہوتا ہے جو متوقع ہے ایک ایسے ضرر سے جو واقع اور ثابت ہے اور اس کی متوقع ضرر کو دفع کرنے کے لیے اس بڑے ضرر کا ارتکاب صحیح نہیں ہے۔ اس لیے اکراہ کی صورت میں کسی نفس یا عضو پر اعتدی کسی حال میں جائز نہیں[32]۔

مذکورہ بالا رائے اس اساسی قاعدے الضرر یزال پر مبنی ہے جو نصوص اور شریعت کے عمومی مزاج کا آئینہ دار ہے جس کے ذیل میں فقہاء نے ضمنی قاعدے نقل کیے ہیں جیسے «**الضرر لا یزال بمثله**»، ایک ضرر کو دوسرے ضرر کے ذریعہ دفع نہیں کیا جائے گا۔ «**الضرر الاشد یزال بالضرر الاخف**» بڑے ضرر کو کمتر درجہ کے ضرر سے زائل کیا جائے گا۔ «**إِذَا تَعَارَضَ مَفْسَدَتَانِ رُوعِيَ أَعْظَمُهُمَا ضَرَرًا بِارْتِكَابِ أَخَفِّهِمَ**» "دو مفسدوں کے تعارض کے وقت کمتر درجہ کے مفسدہ کو برداشت کرکے بڑے مفسدہ کو دور کیا جائے گا"[33]۔

قصاص و دیت اور وراثت میں اکراہ

اسلامی قانون میں قتل عمد کے ارتکاب پر قصاص واجب ہے یہ نص سے ثابت ہے[34] قصاص کا لفظ چونکہ قص سے ہے جس کے معنی کاٹنے کے ہیں اسی سے لفظ قصاص ماخوذ ہے جس سے مراد جرم اور سزا میں مماثلت ہے۔ یعنی مضرت رسیدہ شخص کے زخم یا قتل کے بدلے مجرم کو زخمی یا قتل کرنا[35]۔

اس بات پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ شرعاً مکرَہ کو اکراہ تام کے تحت کسی کو قتل کرنے کی رخصت اور اباحت نہیں۔ اسی طرح فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مکرَہ اگر اکراہ تام کے تحت جرم قتل، قطع یا ضرب مہلک کا ارتکاب کرے گا تو اس کو سزا دی جائے گی کیونکہ ان جرائم میں اکراہ کا اعتبار نہیں کیا جاتا ہے[36]۔ البتہ وجوبیت قصاص کے معاملے میں فقہاء میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک قصاص مباشر یعنی قتل پر مجبور کیے جانے والے پر واجب ہے جب کہ بعض کے نزدیک قصاص کی سزا اس کو دی جائے گی جو اس کو مجبور کرکے قتل کا سبب بنا ہے۔ اور بعض دونوں کو قصاص کی سزا دینے اور بعض قصاص کی سزا دونوں یعنی مکرِہ مکرَہ سے ساقط کرنے کے قائل ہیں مثلاً:

اکراہ کی صورت میں قصاص کی سزا کے بارے میں احناف کا آپس میں بھی اختلاف ہے۔ اور اس ضمن میں ان کی تین آراء ہیں: ا۔ امام ابو حنیفہ (۱۵۰ھ) اور امام محمد (م۱۸۸ھ) کے نزدیک اکراہ تام کی صورت میں قصاص مکرہ سے لیا جائے گا نہ کہ مکرہ سے البتہ مکرہ کو تعزیری سزا دی جائی گی۔ ان کا استدلال اس پر ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: «إِنَّ اللهَ وَضَعَ عَنْ أُمَّتِي الْخَطَأَ، وَالنِّسْيَانَ، وَمَا اسْتُكْرِهُوا عَلَيْهِ»"[37]۔ بے شک اللہ تعالی نے میری امت سے غلطی بھول چوک اور اس گناہ کو معاف کر دیا جس پر ان مجبور کیا گیا ہو۔ چنانچہ جو فعل جبر واکراہ کے تحت سرزد ہوا ہو اس حدیث کے ظاہر کی رو سے وہ معاف ہے۔ امام کاسانی (م۵۸۷ھ) نے اس رائے کی توجیہ کرتے ہوئے مزید لکھا ہے کہ از روئے معنی تو قاتل مکرہ ہی ہے کیونکہ مکرہ کی طرف سے تو قتل کی صورت پائی گئی ہے۔ لہذا وہ مجبور شخص مثل آلہ کے ہے کیونکہ قتل ان افعال میں سے ہے جن کو دوسرے کے آلے سے واقع کرنا ممکن ہے جیسے مال کا تلاف جہاں مکرہ ہی ہے نہ کہ مکرہ اور اس کی مزید توجیہ پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اگر مکرہ کو اپنا ہاتھ کاٹنے پر مجبور کیا گیا تو اسے مکرہ سے قصاص کا حق ہوتا ہے اگر وہ مجبور حقیقت میں کاٹنے والا ہوتا تو وہ قصاص نہ لے سکتا تھا[38]۔

اسی طرح امام سرخسی (م۴۸۳ھ) نے اس رائے کی توجیہ اس طرح پیش کی ہے کہ قتل میں بھی مکرہ مکرہ کا آلہ بن سکتا ہے مثلاً مکرہ کا ہاتھ پکڑ کر کسی کو قتل کر دے اور اسے قتل کی دھمکی دی گئی ہو۔ چونکہ وہ اقدام قتل کر کے ہی اپنی زندگی محفوظ رکھ سکتا ہے اور اس طرح اس کا اختیار فاسد کر کے اس سے قتل کا کام لیا جاتا ہے۔ جس کے بعد اس کی حیثیت قتل کے آلہ جیسی ہی ہو گئی ہے اس لیے اس فعل "قتل" کی نسبت اس شخص کی طرف ہو گی جس نے اس کا اختیار فاسد کر دیا ہے اور قصاص اسی مکرہ پر ہی عائد کیا جائے گا[39]۔

اس طرح مکرہ پر دیت اور کفارہ بھی لازم نہیں ہے جیسا کہ امام سرخسی نے لکھا ہے البتہ وہ گنہگار ہو گا کیونکہ گنہگار ہونا بقائے حکم کی دلیل نہیں ہے[40]۔ الغرض طرفین کے نزدیک قتل پہ مجبور کیے جانے والے شخص کو صرف تعزیری سزا دی جائے گی اور وہ اپنے نفس کو بچانے کی خاطر اس طرح مجبوری کی حالت میں کسی کو قتل کرنے پر گنہگار اور اللہ کے ہاں جوابدہ بھی ہے۔ اور چونکہ قتل کا سبب بننے والا دراصل مکرہ ہی ہے اس لیے اس کو قصاص میں قتل کیا جائے اور اگر کسی وجہ سے اس سے قصاص کی سزا ساقط ہو جائے تو دیت بھی اسی پر واجب ہو گی۔

طرفین کی رائے کے برعکس امام زفر کی رائے یہ ہے کہ قصاص مکرہ ہی سے لیا جائے گا کیونکہ قتل کا مرتکب (مباشر) وہی ہے۔ امام کاسانی نے اس قول کی توجیہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ قتل حقیقت میں مجبور (مکرہ) کی طرف سے پایا گیا ہے حسی اعتبار سے بھی اور مشاہدے کے اعتبار سے بھی اور محسوس سے انکار کرنا ہٹ

دھرمی ہے، لہذا قتل کا مجبور (مکرہ) کی طرف سے نہ کہ مکرہ کی طرف سرزد ہونے کا اعتبار کرنا واجب ہے کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ حقیقت کا اعتبار کیا جائے گا اور دلیل کے بغیر اس سے انحراف کرنا جائز نہیں[41]۔

امام زفر کی رائے کا مطلب یہ ہے کہ قتل کا ارتکاب حقیقت میں مکرہ نے اپنے نفس کو بچانے کے لیے کیا ہے اور جس طرح جمہور کے نزدیک مخمصے سے دوچار شخص کے لیے کسی انسان کو قتل کرکے اس کا گوشت کھانے پر قصاص ہے۔اسی طرح مکرہ بھی نہ صرف گنہگار ہے بلکہ قصاص بھی اس سے لیا جائے گا نہ کہ مکرہ سے۔امام ابویوسف کی رائے یہ ہے کہ اکراہ کے تحت قتل کی صورت میں مکرہ اور مکرہ میں سے کسی سے بھی قصاص نہیں لیا جائے گا۔ البتہ مکرہ پر دیت واجب ہوگی۔امام کاسانی نے لکھا ہے کہ امام ابویوسف کے نزدیک مکرہ اور مکرہ دونوں میں سے کسی پر قصاص واجب نہیں ہوگا لیکن مکرہ پر دیت اس کے مال میں تین سال میں واجب ہوگی[42]۔

امام ابویوسف کی رائے کا مقصد یہ ہے کہ چونکہ مکرہ صرف قتل کا سبب بنا ہے اس نے قتل کا ارتکاب نہیں کیا ہے اور قتل کا سبب بننے والے پر قصاص واجب نہیں ہوتا اسی طرح مکرہ نے اس حالت میں قتل کا ارتکاب کیا ہے کہ اس کی رضا معدوم ہے اور قتل کا قصد بھی موجود نہیں ہے اس لیے دونوں پر قصاص نہیں ہے اور قصاص ساقط ہونے کی صورت میں شریعت نے دیت واجب کی ہے جو مکرہ پر ہوگی کیونکہ قتل اسی کی وجہ سے واقع ہوا ہے۔

حتمی رائے یہ ہوئی کہ حنفی مذہب میں مختار رائے طرفین یعنی امام ابو حنیفہ اور امام محمد کی ہے کہ اکراہ کے تحت قتل کی صورت میں قصاص مکرہ پر واجب ہوگا نہ کہ مکرہ پر البتہ اس کو تعزیری سزا دی جائے گی[43]۔

مالکیہ کی رائے یہ ہے کہ اکراہ کے تحت قتل کے ارتکاب کی صورت میں مکرہ اور مکرہ کے حکم میں مالکی فقہاء کا بھی آپس میں اختلاف ہے۔ بعض نے مباشر بعین مکرہ اور مکرہ پر قصاص واجب ہونے کی رائے دی ہے [44]۔ابن رشد (م ۵۹۵ھ) نے بھی لکھا ہے کہ امام مالک، امام شافعی، امام ثوری، ابوثور اور ایک جماعت کے نزدیک اکراہ کے تحت قتل کی صورت میں قصاص مباشر پر ہوگا نہ کہ آمر پر البتہ مالکی مذہب میں مختار رائے یہ ہے کہ مکرہ اور مکرہ دونوں سے قصاص لیا جائے گا کیونکہ وہ دونوں جرم قتل میں شریک ہیں مکرہ مباشرتاً جرم قتل کا ارتکاب کرنے پر اور مکرہ قتل کا سبب بننے پر۔ابن رشد نے لکھا ہے کہ اگر آمر کو مامور یعنی مباشر پر سلطان اور غلبہ حاصل ہو تو دونوں کو قصاص پر قتل کیا جائے گا۔اور انہوں نے یہ رائے امام مالک سے بھی منسوب کی ہے[45]۔ مالکیہ کے نزدیک یہ بھی ہے کہ مکرہ اور مکرہ دونوں سے قصاص لیا جائے گا۔مکرہ سے اس لیے کہ وہ قتل کا سبب بنا ہے اور مکرہ سے اس لیے کہ اس نے مباشرتاً فعل کا ارتکاب کیا ہے بشرطیکہ مامور مکرہ کے لیے قتل کے خوف کی وجہ سے حکم سے انکار ممکن نہ ہو[46]۔

اکراہ کے تحت قتل کی صورت میں شافعی مذہب کی مختار رائے بھی یہ ہے کہ قصاص مکرہ اور مکرہ دونوں پر واجب ہوگا۔ان کے ہاں اکراہ کی صورت میں ضمان قطعی طور پر دونوں پر ہوگا اور اظہر رائے کے مطابق قصاص بھی[47]۔لیکن مذہب شافعی میں ایک رائے یہ بھی ہے کہ قصاص مکرہ پر واجب ہوگا نہ کہ مکرہ پر البتہ ان کے ایک قول کے مطابق مکرہ پر بھی قصاص واجب ہوگا اور دوسرے قول کو صحیح اور راجح قرار دیا گیا ہے۔یہ اس علت پر ہے کہ مکرہ پر قصاص اس لیے واجب ہے کہ وہی اس قتل کا ایک ایسے فعل سے سبب بنا ہے جو غالب حالات میں قتل کی طرف لے جانے والا ہے اور یہ ایسا ہے کہ گویا کہ اس نے اسے تیر مار کر قتل کیا ہے۔اور مکرہ کے بارے میں مذکورہ دونوں اقوال کی تعلیل کرتے ہوئے کہ مکرہ پر قصاص لازم نہیں ہوگا کیونکہ اس نے اپنے نفس کو بچانے کے لیے قتل کیا ہے۔اور یہ اس طرح ہے گویا کہ کوئی اسے قتل کرنے کا ارادہ کرے۔لیکن وہ الٹا اسے دفاع میں قتل کر ڈالے۔اور دوسرے قول کی تعلیل یہ ہے کہ ان کے نزدیک صحیح قول یہ ہے کہ مکرہ پر قصاص لازم ہوگا کیونکہ اس نے اپنے نفس کو بچانے کے لیے ظلماً اسے قتل کیا ہے[48]۔

حنابلہ کی رائے یہ ہے کہ اکراہ کے تحت قتل کی صورت میں مکرہ اور مکرہ دونوں سے قصاص لیا جائے گا جو کہ حنبلی مذہب میں مختار رائے ہے ابن رجب حنبلی (م۷۹۵ھ) نے لکھا ہے کہ حنبلی مذہب کے مطابق مکرہ اور مکرہ دونوں قصاص اور ضمان میں شریک ہیں کیونکہ جرم قتل میں اکراہ عذر نہیں ہے[49]۔ابن قدامہ (م۶۲۰ھ) نے لکھا ہے کہ اگر کسی شخص کو قتل پر مجبور کیا جائے اور وہ قتل کر دے تو مکرہ اور مکرہ دونوں پر قصاص واجب ہوگا اور اس کی توجیہ وہ کرتے ہیں کہ مکرہ پر اس لیے قصاص واجب ہوگا کہ وہ ایک ایسے فعل سے اس قتل کا سبب بنا ہے جو غالب حالات میں قتل کی طرف لے جانے والا ہے اور اس کا یہ فعل ایسا ہے گویا ہے کہ اس نے اس مقتول کو سانپ سے ڈسوایا ہے یا شیر کے اوپر پھینکا ہے یا گاڑی وغیرہ کے نیچے دھکیل دیا ہے اور مکرہ پر اس لیے کہ اس نے اپنے نفس کو بچانے کے لیے اس کو قصداً اور ظلماً قتل کیا ہے[50]۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اکراہ کے تحت قتل کی صورت میں حنبلی مذہب کی مختار رائے یہ ہے کہ قصاص مکرہ اور مکرہ دونوں پر واجب ہوگا۔اسلامی قانون میں چاروں فقہی مذاہب کی آراء نتائج یہ ہیں:

۱۔ مکرَہ اور مکرِہ دونوں پر قصاص ہو۔
۲۔ مکرِہ پر قصاص ہو نہ کہ مکرَہ پر۔
۳۔ مکرَہ پر قصاص ہو نہ کہ مکرِہ پر۔
۴۔ دونوں پر قصاص ہو نہ اور مکرِہ پر دیت ہو۔

عصری تناظر میں حالات کے پیش نظر ان چاروں صورتون میں جس صورت پر عمل کرنا زیادہ قرین انصاف معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اکراہ کے تحت قتل کی صورت میں مکرہ ہی پر قصاص واجب کیا جائے۔ جیسا کہ ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی رائے ہے، امام شافعی اور مام احمد کا ایک قول بھی اس کی تائید کرتا ہے کیونکہ اصل قاتل وہی ہے اور مکرہ تو ایک آلہ سے زائد کی حیثیت نہیں رکھتا کیونکہ اس نے یہ قتل اپنی رضا و اختیار سے نہیں کیا گو کہ اس حالت میں بھی اپنے نفس کو بچانے کی خاطر قتل کا یہ ارتکاب مکرہ کے لیے دینوی اور اخروی سزا کا موجب ہے۔ اسلامی قانون میں قتل اور زنا دو ایسے جرم ہیں جن کا ارتکاب اکراہ کے تحت بھی جائز نہیں ہے۔ آج کل کے حالات میں مکرہ قتل پر صرف اپنے نفس کو بچانے کی خاطر مجبور نہیں ہوتا بلکہ جیسا کہ واقعات سے ثابت ہے اس کے پورے خاندان کو نا قابل برداشت اذیتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ رائے کو عصر حاضر کے مشہور محقق وہبہ زحیلی نے بھی ترجیح دی ہے [51]۔ ہاں البتہ مکرہ کو قصاص سے بری الذمہ قرار دینے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس کے لیے کوئی راہ فرار نہ ہو جیسا کہ مالکیہ کی رائے ہے [52]۔

مجموعہ تعزیرات پاکستان دفعہ ۹۴ کے تحت جو تشریح کی گئی ہے کہ اکراہ کے تحت سب افعال ماسوائے قتل یا مملکت کے خلاف جرائم قابل معافی قرار پائے ہیں جو فوری موت کے خوف کے تحت کیے جائیں اس استثناء کا اصول یہ ہے کہ انسانی ارادہ پر اس قدر جبر یا خوف مسلط ہو کہ وہ ایسا فعل کرنے پر مجبور ہو جائے جو اس کی فعل سخت ناپسند کرتی ہے اور جس کے متعلق عیاں ہو کہ اگر اس کی قوت ارادہ کو اپنی مرضی پر آزاد چھوڑا جاتا تو کبھی بھی اس فعل کو کرنا گوارا نہ کرتا لہذا ایسا فعل اس کا ذاتی فعل نہیں ہے [53]۔

موجب قتل کام پر اکراہ

اگر کسی شخص کو کسی ایسے کام پر مجبور کیا جائے جس کے کرنے سے وہ مجبور شخص یعنی مکرَہ قتل ہو جاتا ہے مثلاً کسی کو آگ یا دریا کودنے یا درخت سے چھلانگ لگانے وغیرہ پر مجبور کرنا تو اس میں دو پہلو ہیں: یعنی یہ کہ قتل ہونے کا گمان غالب ہو مثلاً کسی ایسے شخص کو دریا میں چھلانگ لگانے پر مجبور کیا جائے جو تیر نا نہیں جانتا اور نہ ہی اس کے پاس کوئی ایسا آلہ ہے جس کی مدد سے وہ پانی میں زندہ رہ سکے۔ اور دوسرا یہ ہے کہ مرنے کا امکان زیادہ نہ ہو مثلاً مذکورہ صورت میں مکرہ ایسا شخص ہو جو تیرنا جانتا ہو۔

اسلامی قانون کے ماہرین میں حنفیہ کے نزدیک بیان کردہ دو صورتوں میں مکرِہ پر قصاص واجب کرنے کے قائل نہیں ہیں۔ اور صاحبین کے نزدیک دوسری صورت میں اگر مکرَہ کے بچنے کی امید ہو تو مکرِہ پر قصاص

واجب نہیں کیا جائے گا۔تاہم پہلی صورت یعنی مکرِہ اس قتل کا ذمہ دار ہے اور اس سے اس کا قصاص لیا جائے گا[54]۔ البتہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس صورت میں مکرِہ پر قصاص واجب نہیں ہوتا بلکہ اگر وہ اسے پکڑ کر پانی میں ڈال دیتا یا پہاڑ یا چھت سے گرا دیتا تو بھی ان کے نزدیک اس پر قصاص نہیں کیونکہ ان صورتوں میں گرنے والے کا اپنا وزن بھی اس کی ہلاکت کا موجب بن گیا ہے۔زیادہ سے زیادہ یہ کہ مکرہ اس قتل کا سبب بن گیا ہے۔اور قتل کا سبب بننے کی وجہ سے دیت اس پر لازم آتی ہے[55]۔

اس ضمن میں شافعیہ کی دو روایتیں ہیں ایک یہ ہے کہ اگر عموماً اس سے آدمی مرتا ہے تو اس صورتمیں مکرہ پر قصاص واجب ہے اور اگر اکراہ ایسے کام پر ہوا ہے جس سے اتفاقاً مکرہ مر گیا لیکن ویسے اس سے موت واقع نہیں ہوتی تو پھر یہ شبہ عمد ہے اور اس صورت میں دیت واجب ہے تاہم بعض شافعیہ کے نزدیک یہ بھی عمد[56]۔ ان آراء اور دلائل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صاحبین کی رائے راجح اور قانون قصاص کی روح اور مقصد سے زیادہ مطابق ہے جو امام شافعی کی بھی رائے ہے۔یعنی اس صورت میں مکرہ سے قصاص لینا لازم ہونا چاہیے۔امام ابو حنیفہ نے ثقل بدن کی جو دلیل دی ہے وہ منطقی اس لیے نہیں ہے کہ قتل بالسیف کی صورت میں بدن کی نرمی بھی تو ایک سبب ہے۔نیز حضرت عمر رضی اللہ کا اثر بھی صاحبینؒ کی رائے کا موید ہے[57]۔

اکراہ کی صورت میں دیت

کسی بھی قتل میں قصاص واجب یا ممکن نہ ہونے کی صورت میں یا قصاص ساقط ہونے کی صورت میں عدم معافی کی صورت میں دیت[58] لازم آتی ہے۔دیت کے بارے میں اصولی قانون میں قرآن کریم میں بیان ہوا ہے[59]۔قرآن میں اس آیت میں قتل خطاء کی تصریح ہے البتہ قتل کے دیگر اقسام میں دیت کی وجوبیت ہے۔

اکراہ کے تحت قتل کی صورت میں اگر قصاص ساقط ہو جائے اور بات دیت پر آجائے تو اس کے وجوب میں فقہاء کی آراء یہ ہیں:

> "حنفی فقہاء دیت کے وجوب میں دو آراء رکھتے ہیں ایک رائے کی رو سے قصاص ساقط ہونے کی صورت میں دیت مکرہ پر واجب ہوگی اور یہ امام ابو حنیفہ اور امام محمد کی رائے ہے اور امام ابو یوسف نے بھی اسی رائے کا اظہار کیا ہے۔اگرچہ ان کے نزدیک شبہ موجود ہونے کی وجہ سے اس پر قصاص واجب نہیں ہے۔البتہ امام زفر کے نزدیک جس اکراہ کی صورت میں قصاص مکرہ پر واجب ہے اسی طرح قصاص ساقط ہونے پر دیت بھی اس پر واجب ہوگی"۔[60]

"شافعی فقہاء کے نزدیک اکراہ کے تحت قتل کے ارتکاب کی صورت میں جس طرح قصاص مکرہ اور مکرہ دونوں پر واجب ہے اسی طرح قصاص ساقط ہونے کی صورت میں دیت بھی مکرہ اور مکرہ دونوں پر واجب ہو گی۔ اگر کسی کو کسی آدمی کے قتل پر مجبور کیا جائے اور وہ اس کو قتل کر دے جس طرح ان کے نزدیک قصاص دونوں یعنی مکرہ اور مکرہ پر واجب ہے اسی طرح ولی کے لیے جائز ہے کہ ان دونوں میں سے جس کو چاہے قصاص میں قتل کر دے۔ اور دوسرے سے دیت لے لے کیونکہ دونوں قتل میں شریک ہیں"۔ [61]

اسی طرح حنبلی فقہاء کے نزدیک اگر معاملہ دیت پر آجائے تو دونوں مکرہ اور مکرہ پر واجب ہو گی کیونکہ وہ دونوں قتل میں شریک ہیں اور دونوں پر قصاص واجب ہے۔ اسی طرح دیت بھی دونوں پر واجب ہو گی۔ ان کے ہاں مکرہ اور مکرہ دونوں قصاص اور ضمان دونوں میں شریک ہیں کیونکہ اکراہ قتل میں معتبر عذر نہیں ہے"[62]

مجنی علیہ کے قتل پر رضامندی پر دیت

جمہور فقہاء کے نزدیک مقتل کی رضامندی سے جرم قتل کی حرمت اور سزاء پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا لیکن اس کے باوجود اکثر فقہاء نے اس رضامندی کو شبہ قرار دیتے ہوئے اس کو باعث سقوط قصاص اور موجب دیت قرار دیا ہے۔ یہ امام ابو حنیفہ اور صاحبین کی رائے ہے اور مالکی مذہب کی بھی راجح رائے ہے اور شافعیہ سے بھی ایک رائے اس کے حق میں منقول ہے۔ البتہ ان تینوں مذاہب کے بعض فقہاء نے اس حالت میں بھی قصاص ہی واجب کیا ہے [63]۔

اکراہ اور قتل مورث

قتل مسلم پر اسلامی قانون کے احکام میں سے ایک حکم یہ ہے کہ کہ قاتل اگر مقتول کا وارث ہے تو وہ مقتول کی میراث سے محروم ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے لا یرث القاتل [64]۔ لیکن اگر مورث کو قتل کرنے کے لیے قاتل پر اکراہ کیا گیا ہو تو کیا وہ بھی میراث سے محروم ہو گا۔ اس بارے میں احناف کے دو اقوال ہیں ایک قول یہ ہے کہ مکرہ کو میراث سے محروم نہیں کیا جائے گا کیونکہ وہ صورتاً قاتل ہے حقیقتاً نہیں کیونکہ اصل قاتل مکرہ ہی ہے اور مکرہ کی حیثیت آلہ قتل کی ہے۔ امام کاسانی نے لکھا ہے مکرہ کو ہمارے اصحاب ثلاثہ کے نزدیک میراث سے محروم نہیں کیا جائے گا کیونکہ مکرہ نے صورتاً قتل کا ارتکاب کیا ہے لیکن حقیقت میں وہ قاتل نہیں

ہے۔ کیونکہ وہ مثل آلہ کے ہے لہذا قتل کی اضافت مکرہ کی طرف جائے گی۔ چونکہ یہ ایسا قتل ہے کہ اس سے مکرِہ پر نہ قصاص واجب ہوتا ہے اور نہ کفارہ۔ اس لیے یہ میراث سے محرومی کا موجب نہیں [65]۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ مکرہ کو میراث سے محروم کیا جائے گا امام ابو حنیفہ امام شافعی کے نزدیک مکرہ کو قصاص واجب ہونے کی وجہ سے میراث سے بھی محروم کیا جائے [66]۔ امام شافعی کے نزدیک تو حرمان میراث کے اسباب میں قتل کی کوئی قسم مستثنی نہیں ہے۔ بلکہ قتل میں وارث کا دور تک بھی ہاتھ ہو تو وہ بھی میراث سے محروم ہوتا ہے [67]۔ اسی طرح حنابلہ کے نزدیک بھی مکرہ اس لیے میراث سے محروم ہوتا کہ اس سے قصاص لیا جاتا ہے اس لیے یہ قتل موجب حرمان بھی ہے [68]۔

انسانی جسم پر اثر انداز ہونے والے جرائم میں اکراہ

جرم قتل کی طرح انسانی جسم پر اثر انداز ہونے والے جرائم میں بھی شریعت نے قصاص کی سزا واجب کی ہے اس کا اصول بھی قرآن میں موجود ہے [69]۔ یہ اصول پچھلے الہامی مذاہب میں بھی تھا۔ لیکن اس کو نصوص نے منسوخ قرار نہیں دیا ہے۔ جیسا کہ قصاص کے مفہوم سے واضح ہے قصاص کی صورت میں جرم سزا میں برابری ضروری ہے اسی کو یقینی بنانے کے لیے فقہاء کی قتل کی صورت میں نفاذ قصاص کے لیے بعض شرائط ہیں۔ جن کا تفصیل ذکر فقہی ادب میں موجود ہے۔

اکراہ کے تحت قطع اطراف

اعضاء واطراف کے علاہ زخموں میں بھی قصاص جاری ہوتا ہے جیسا کہ قرآن میں والجروح قصاص زحموں میں بھی قصاص ہے لیکن کن زخموں میں امکان مماثلت کی وجہ سے قصاص ممکن ہے اور کن میں امکان مماثلت نہ ہونے کی وجہ سے قصاص ممکن نہیں اس کی تفصیل چونکہ نصوص سے ثابت نہیں ہیں۔ اس لیے ان میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔ قطع اطراف میں اکراہ کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں یا تو کسی کو کسی اور شخص کے اعضاء قطع کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے اور یا اپنے اعضاء قطع کرنے پر۔ چونکہ دونوں کے حکم میں قدرے اختلاف ہے۔ ہاں اس بات پر جمہور کا اتفاق ہے کہ جس طرح قتل میں اکراہ کا اعتبار نہیں کیا جاتا اور شریعت نے مکرہ کو اجازت نہیں دی ہے کہ وہ مجبوری کی حالت میں کسی کی جان لے لے خواہ اکراہ تام ہی کیوں نہ ہو اسی طرح کسی کے اعضا کاٹنے میں بھی اکراہ کا اعتبار نہیں کیا جاتا اور اگر کوئی شخص اکراہ کے تحت کسی کے اعضاء قطع کرنے کے جرم کا

ارتکاب کرے گا خواہ اکراہ تام ہو بلکہ قتل کی دھمکی کے تحت ہی کیوں نہ ہو وہ مجرم ہے اور مستحق سزا ہو گا۔اس ضمن میں امام کاسانی نے لکھا ہے اسی طرح اگر کسی کو کسی انسان کا ہاتھ کاٹنے پر مجبور کیا جائے اور وہ اس کا ہاتھ کاٹ دے تو اس حکم کے بابت بھی ائمہ کے اختلاف کی وہی صورت ہو گی جو قتل کی ہے [70]۔

اکراہ کے تحت قطع اعضاء میں قصاص

اکراہ کے تحت کسی اعضاء کو قطع کرنے میں قصاص کا حکم بھی وہی ہے جو قتل کی صورت میں ہے۔ قصاص مکرہ پر عائد ہو گا۔اسی طرح قطع اعضاء میں بھی قصاص مکرہ پر ہونا چاہیے۔کیونکہ اعضاء بھی حرمت نفس کی طرح ہی ہیں [71]۔اور اگر قصاص ممکن نہ ہو تو دیت بھی مکرہ ہی پر عائد کی جائے گی جیسا کہ اس رائے کو سقوط قصاص کی صورت میں دیت پر راجح قرار یا جا چکا ہے۔

اپنے اعضاء قطع کرنے پر مجبور کرنے کا حکم

جمہور فقہاء نے نزدیک اگر کسی کو قتل کی دھمکی دے کر اپنا کوئی عضو قطع کرنے پر مجبور کیا جائے تو اسے اس کی اجازت ہو گی کیونکہ عضو کا تلف ہونا نفس کے مقابلے میں آسان اور اولی ہے اور اگر وہ اپنا عضو تلف کرنے کا اقدام نہیں کرے گا تو یہ اپنا نفس قتل کے حوالے کرنے کے مترادف ہے اور اتلاف نفس سے اعضاء کا اتلاف لا محالہ لازم آتا ہے اور اس میں شک نہیں کہ کل بقاء کے لیے جزء کا اتلاف اولی ہے اگر کسی کو اپنا ہاتھ قطع کرنے پر مجبور کیا جائے تو اس کے لیے اس کی اجازت ہے اور قصاص مکرہ پر ہو گا [72]۔

خلاصہ و نتیجہ

شریعت نے اپنے احکام کے ذریعے سے انسان کی جان مال اور عزت کی حفاظت کا پورا پورا بندوست کیا ہے اور ان کو مقاصد شریعت میں سے قرار دیا ہے کہ تاکہ انسان دنیا میں بھی چین وراحت کی زندگی گزار سکے بلکہ شریعت کے سارے احکام انسانی مصلحت پر مبنی ہیں اس لیے اگر ان شرعی احکام پر عمل کرنے میں کسی وجہ سے بہت زیادہ تکلیف اور مشقت لازم آتی ہو تو شریعت نے ان حالات ضرورت میں رخصت کے احکام دیے ہیں اکراہ بھی حالت ضرورت ہے لیکن اکراہ اسلامی قانون میں معتبر ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اکراہ کرنے والے نے جن وسائل اکراہ کی دھمکی دی ہے وہ نہ صرف یہ کہ مکرہ کو مجبور و بے بس کرنے والے ہوں بلکہ وہ اپنی اس دھمکی

پر عمل کرنے پر قادر بھی ہو اور مکرہ کا غالب گمان یہ ہو کہ اگر اس نے اس تحدید کے مطابق عمل نہ کیا تو اکراہ کرنے والا اپنی دھمکی پر عمل کرلے گا اور اس کے لیے کوئی راہ فرار بھی نہ ہو۔ فقہا نے صرف اس اکراہ کا اعتبار کیا ہے لیکن اس صورت میں بھی مکرہ و مجبور کو صرف حرام افعال کے ارتکاب کی اجازت دی گئی ہے جن کا ضرر ونقصان متوقع ضرر ونقصان سے کم ہو۔ اگر واقع ہونے والا ضرر ونقصان متوقع ضرر ونقصان سے زیادہ ہو تو پھر شریعت نے مکرہ کو اس اکراہ کے مطابق عمل کرنے کی اجازت نہیں دی ہے۔ اسی لیے جمہور فقہاء کے نزدیک مکرہ کو شرعاً قتل اور زنا کی اجازت نہیں ہے بصورت دیگر مجرم ہو گا۔ کیونکہ ان دو جرائم کا نقصان متوقع نقصان سے کم نہیں۔

عصر حاضر میں انسانی جان کی کوئی قیمت یا وقعت باقی نہیں رہی قتل کے واقعات کے پیچھے کار فرما عوامل میں ایک یہ بھی شامل ہے کہ قتل زبردستی بھی کرائی جاتے ہیں۔ لہذا اس کے لیے اسلامی قانون کے تحت مکرہ کو سزاء دینے کی صورت میں ایسے واقعات کم ہو سکتے ہیں۔

حواشی وحوالہ جات

1 یعنی قرآن مجید میں قصاص کا قانون بیان کیا گیا اور فرمایا اس میں عقل والوں! تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے۔ اور قرآن مجید میں انسانی جان اور جسم کے خلاف جرائم کے لیے قانون بیان کیا ہے یعنی قصاص (القرآن ۲:۱۷۹، ۱۷۸) سزاء کے طور پر قصاص لیا جائے گا اور غلطی کی وجہ سے کسی کو قتل کرنے میں دیت مقرر ہے۔

2 ابن منظور 'لسان العرب 'دار صادر بیروت 'لبنان 'ج۳ ص ۵۴۴ زیر مادۃ "کرہ"؛ الرازی زین الدین بن عبد القادر" ۔ مختار الصحاح 'تحقیق یوسف الشیخ 'المکتبۃ العصریہ 'بیروت '۱۹۹۹ء ص ۲۶۹، مادۃ "کرہ"۔

3 القرآن ۳:۸۳۔

4 القرآن ۲:۲۱۶۔

5 الفیومی احمد بن محمد 'المصباح المنیر 'المکتبہ العلمیہ 'بیروت 'سطن مادۃ "ک رھ" ، ج ۲، ص ۷۳۰۔

6 ابن منظور، لسان العرب ج۳، ص ۵۴۵؛ راغب اصفہانی، الحسین بن محمد، المفردات فی غریب القرآن، تحقیق: صفوان عدنان الداودی، دار القلم، الدار الشامیہ، دمشق۔ ط/۱، ص ۱۴۱۲ھ؛ مادۃ "کرہ"، ص ۷۰۷۔

7 السرخسی، محمد بن احمد شمس الدین، المبسوط، دار الکتب العلمیہ، بیروت، سطن ج ۲۴، ص ۳۸۔

8 علاء الدین، عبد العزیز بن احمد بن محمد، کشف الاسرار شرح اصول البزوی، دار الکتاب الاسلامی، سطن، ج ۴، ص ۳۸۳۔

9 ابن عابدین، محمد امین بن عمر، رد المحتار علی الدر المختار دار الفکر۔ بیروت، ط/۲، ۱۹۹۲ء، ج ۶، ص ۱۲۸۔

10 الشافعی، محمد بن ادریس، الام، دار المعرفۃ، بیروت، ۱۹۹۰، ج ۳، ص ۲۱۳۔

[11] الخرشی، محمد بن عبداللہ المالکی، شرح مختصر الخلیل، دارالفکر بیروت، سطن ج۵، ص۹۔

[12] الشافعی، الام ج۳، ص۲۳۶۔

[13] ابن قدامہ، ابو محمد موافق الدین عبداللہ بن احمد، المغنی، مکتبہ القاہرہ، ۱۹۶۸، ج۷، ص۳۸۳۔

[14] تنزیل الرحمن، جسٹس، قانونی لغت PLD ' Law Dictionary پبلیشرز، سولہواں ایڈیشن، ۲۰۱۶۔

[15] بھٹی، محمد الیاس قصوری، مجموعہ تعزیرات پاکستان پاپولر لاء بک ہاؤس، لاہور، ۲۰۱۹ء دفعہ Pakistan Penal code 350

[16] اللخمی، ابراہیم، شافعی، الموافقات فی اصول الاحکام، دارالفکر بیروت، ج۲، ص۴۔

[17] السرخسی، شمس الدین، المبسوط، دارالکتب العلمیہ بیروت، ط۳، ص۱۹۹۴، ج۲۴، ص۴۵۔

[18] الکاسانی، بدائع الصنائع، دارالفکر، بیروت، لبنان، ۱۹۹۶ء ج۷، ص۱۷۷۔

[19] القرطبیّ، محمد بن احمد بن ابی بکر، شمس الدین، الجامع الاحکام القرآن، تحقیق: احمد البردونی، دارالکتب المصریہ، القاہرہ، ج ۴، ص۱۴۳۔

[20] بھٹی، محمد الیاس، مجموعہ تعزیرات پاکستان، ۱۸۶۰ مع ضابطہ، پاپولر لاء بک ہاؤس، ص۴۸۔

[21] حوالہ مذکور۔

[22] الدردیر، احمد بن محمد بن احمد، ابی البرکات، الشرح الصغیر علی اقرب المسالک الی مذہب الامام مالک، شرح الصغیر، طبع دار المعارف مصر، ۱۹۹۳ء ج۲، ص۵۴۹۔

[23] الکاسانی، بدائع الصنائع ج۷، ص۱۷۷۔

[24] حوالہ مذکور ج۷، ص۱۷۷۔

[25] ابن نجیم، زین الدین مصری، الاشباہ النظائر، دارالکتب العلمیہ بیروت، ط۴، ۲۰۰۱، ص۱۰۸ (قاعدہ الضرر یزال)۔

[26] Broom , Herbert Legal Maxim Law booksellers Publishers and Importees 1872, Philadelphia, p.145.

[27] ابن نجیم، الاشباہ والنظائر ص۸۴۔

[28] کشف الاسرار ج۴، ص۶۵۷۔

[29] سیوطی، عبدالرحمن بن ابی بکر جلاالدین، الاشباہ والنظائر، دارالکتب العلمیہ، ط/۱، ص۱۹۹۰ء ص۱۷۷۔

[30] Broom’s legal Maxims p 131.

[31] ابن نجیم، الاشباہ والنظائر ص۴۳۔

[32] الجریمہ، ص۵۴۲۔

[33] ابن نجیم، الاشباہ والنظائر، ص۱۰۷۔

[34] القرآن ۲:۱۷۸۔۱۷۹۔

[35] ابن منظور، لسان العرب، ج۸، ص۱۳۴۱؛ رواس قلعی جی، معجم لغتہ الفقاء، دارالکتب العلمیہ بیروت، ص۳۶۴۔

[36] ابن نجیم، البحرالرائق ج۴، ص۸۴؛ عبدالقادر عودہ، التشریع الجنائی، ج۱، ص۵۲۸۔

[37] سنن ابن ماجہ، ج۱، ص۶۵۹؛ حدیث نمبر ۲۰۴۵۔

[38] الکاسانی، بدائع الصنائع، ج۷، ص۱۸۰؛ السرخسی، المبسوط، ج۲۴؛ ص۳۷۔

[39] السرخسی، المبسو، ج۲۴، ص۳۷۔

[40] حوالہ مذکور۔

[41] الکاسانی، بدائع الصنائع، ج۷، ص۱۷۹۔

[42] السرخسی، المبسوط، ج۲۴، ص۷۲۔

[43] فخری، ابوصغیہ، دکتور، الاکراہ فی الشریعہ الاسلامیہ، المدینہ المنورہ، ۱۳۰۲ھ ص۱۵۵۔

[44] الشرح الصغیر، ج۲، ص۵۴۹۔

[45] ابن رشد، محمد بن محمد بن احمد، القرطبّی، بدایتہ المجتہد ونہایتہ الاقتصد، دارالحدیث، القاہرہ، ط۲۰۰۴، ج۲، ص۲۹۶۔

[46] الدسوقی، محمد بن احمد بن عرفہ، حاشیتہ الدسوقی علی الشرح الکبیر، دارالفکر، بیروت، سطن، ج۲، ص۲۹۶۔

[47] الشربینی، شمس الدین محمد بن احمد الخطیب، مغنی المحتاج الی معرفتہ معانی الفاظ المنہاج، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۹۹۴، ج۴، ص۲۰۲۔

[48] النووی، ابوزکریا محی الدین یحی بن شرف، المجموع شرح المہذب، دارالفکر، سطن، ج۲، ص۱۷۷۔

[49] ابن رجب، القواعد، دار معرفتہ مصر، سطن، ص۸۳۔

[50] ابن قدامہ، المغنی، ج۸، ص۲۶۷۔

[51] وہبہ زحیلی، الفقہ الاسلامیہ وادلتہ، دارالفکر۔بیروت، سطن، ج۵، ص۴۰۰۔

[52] الدسوقی، حاشیہ، ج۴، ص۲۴۶۔

[53] مجموعہ تعزیرات پاکستان، ص۴۹۔

[54] السرخسی، المبسوط ج۲۴، ص۶۷۔

[55] الکاسانی، بدائع الصنائع ج۷، ص۱۳۴۔

[56] احمد سلامتہ اللبیوبی، حاشتہ قلیوبی وعمیرہ دارالفکر۔بیروت، ۱۹۹۵، ج۴، ص۹۹۔

[57] محمد سلیم شاہ، شرعی احکام میں اکراہ کا تصور، مقالہ ایم فل، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، ص۱۰۴۔

[58] دیت لغت میں ودی یدی کا مصدر عربی میں کہا جاتا ہے ودی القاتل القتیل یعنی قاتل نے مقتول کے ولی کو مال ادار کر دیا جو مقتول کی جان کا بدلہ ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ دیت کا لفظ ادا سے لیا گیا ہے کیونکہ یہ عام طور پر ادا کی جاتی ہے اور کبھی کبھار ہی ایسا ہوتا کہ دیت

معاف کی جاتی ہو۔ اس لیے کہ انسانی جان کی عظمت کا تقاضا ہے کہ اس کے قاتل کو معاف نہ کیا جائے۔ اصطلاح فقہا میں بھی دیت سے مراد مال کی ایک مقرر مقدار ہے جو قتل اور جرح کی صورت میں سزاء اور معاوضہ کے طور پر دی جاتی ہے۔ فقہاء سے منقول مختلف تعریفات اس مفہوم پر متفق ہیں۔ (ابن منظور، لسان العرب، ج۳، ص۹۰۳)۔

[59] القرآن ۴:۹۲۔

[60] الکاسانی، بدائع الصنائع، ج۷، ص۱۷۹؛ السرخسی، ج۲۴، ص۷۲۔

[61] النووی، ابوزکریا محی الدین بن شرف، المجموع شرح المذہب، دارالفکر بیروت، ج۲، ص۱۹۲۔

[62] ابن رجب، زین الدین عبدالرحمن بن احمد، القواعد، دارالکتب العلمیہ، سطن، ص۳۱۰۔

[63] الکاسانی، بدائع الصنائع ج۷، ص۲۳۶۔

[64] الجزری، عبدالرحمن بن عوض، المذاہب الاربعہ، دارالکتب العلمیہ بیروت، لبنان، ۲۰۰۳ء، ج۳، ص۱۲۳۔

[65] الکاسانی، بدائع الصنائع، ج۷، ص۱۸۰۔

[66] حوالہ مذکور۔

[67] الشمری، ابراہیم بن عبداللہ بن ابراہیم، الحنفی، العذب النفائض شرح عمدالفارض، دارالکتب العلمیہ۔ بیروت، ج۱، ص۲۹۔

[68] ابن قدامہ، المغنی، ج۶، ص۲۹۱۔

[69] القرآن ۷:۴۴۔

[70] الکاسانی، بدائع لصنائع ج۷، ص۱۸۰۔

[71] السرخسی، المبسوط ج۲۴، ص۸۷۔

[72] ابن عابدین، ردالمختار ج۶، ص۱۳۶۔